QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com

امام فخر الدین رازی بحیثیت صوفی و عارف: تحقیقی مطالعہ

(تفسیر "مفاتیح الغیب" کی روشنی میں)

Imam Fakhruddin Razi as Sufi and Arif: An Exploratory Study

(In the light of Tafseer "Mufatih al-Ghaib")

Dr. Hafiz Muhammad Akbar
Assistant Professor, Govt. Sadiq Egerton Graduate College Bahawalpur. Email: akbarsaeedi63@gmail.com
Dr. Khalid Mahmood
Lecturer, Dept. of Pakistan Studies, Allama Iqbal Open University Islamabad. Email: khalid.mahmood@aiou.edu.pk

Fakhr al-Din al-Razi was a great Muslim scholar, intellectual, philosopher and theorist. He was born in Iran and died in Afghanistan. He left behind him so many books and publications on various features of Islam. According to some research scholars, when an index of his books was prepared, it consisted of 104 pages.

One of Imam Razi's surprising works is his outstanding interpretations and explanations of the Holy Quran titled Mafaateeh-ul-Ghaib (Keys to the Hidden facts). Later on, this tafsir was known as Tafsir-E-Kabir (Prodigious Tafsir) because it consists of 32 volumes.

In this article, the personality of Imam Razi as being Sufi is discussed in the light of his tafsir. After reading the Tafsir, it comes in front of us that there are many evidences and signs that are enough to prove that Imam Razi was very much influenced by sufiism particularly in the last part of his life. It is also noteworthy that he wrote this tafsir after being influenced by Sufiism. For this reason, many references can be provided on this claim that Imam Razi was one of the followers who are on the original Tasawuf derived from Quran and Sunnah.

Key Words: Fakhr al-Din al-Razi, Tafsir, Mafaateeh-ul-Ghaib, Tafsir-E-Kabir, Sufiism.

تعارف:

اسلامی تاریخ ایسی نابغۂ عصر شخصیات سے مملو ہے جنہوں نے اپنے دور میں علم و فضل میں کمال حاصل کیا اور علم کی ترویج و اشاعت کے لیے ایسی گراں قدر خدمات سرانجام دیں کہ کئی صدیاں گزر جانے کے باوجود وہ آج بھی زندہ و تابندہ ہیں اور آسمان علم و فضل پر نیر تاباں کی طرح چمک رہے ہیں۔ انھی جلیل القدر اور عظیم الشان شخصیات میں ایک نام چھٹی صدی ہجری کے وسط میں پیدا ہونے والے امام رازی کا بھی ہے۔ امام رازی نے کئی علوم و فنون پر قلم اٹھایا اور اپنی علمیت کا سکہ منوایا۔ علم تفسیر ہو یا علم کلام، علم فقہ و اصول فقہ ہو یا علم منطق و فلسفہ، علم تاریخ ہو یا علم ادب و لغت، علم طب ہو یا علم کیمیا، وہ ہر میدان میں اپنے وقت کے بجا طور پر امام مانے گئے ہیں اور ان کی شخصیت کے ان پہلووں پر کافی علمی و تحقیقی کام منصۂ شہود پہ بھی آچکا ہے۔

ان کی شخصیت کا ایک اہم پہلو "تصوف" کا بھی ہے، لیکن اس پر معتد بہ کام نظر نہیں آیا۔ زیر نظر مضمون میں ان کی شخصیت کا بحیثیت صوفی و عارف باللہ جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی تصانیف بالخصوص تفسیر "مفاتیح الغیب" کا تحقیقی نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہو گی کہ دیگر علوم و فنون کے ساتھ ساتھ انہیں علم تصوف سے بھی بہت زیادہ دلچسپی و شوق تھا۔

یہ مضمون دو فصلوں پر مشتمل ہے، پہلی فصل میں امام رازی کے مختصر حالات زندگی اور ان کے علمی مقام پر روشنی ڈالی گئی ہے جبکہ دوسری فصل میں ان کی شخصیت کا بحیثیت صوفی تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ آخر میں خاتمہ ہے جس میں نتائج بحث پیش کیے گئے ہیں۔ مکمل مضمون حوالہ جات سے مزین ہے۔

پہلی فصل: امام رازی کے حالات زندگی:

اس حقیقت سے کسی صورت انکار ممکن نہیں کہ امام رازی علیہ الرحمۃ اساطین علماء و مفکرین کے امام ہیں۔ ان کے علم کا پرچم گزشتہ آٹھ صدیوں سے فکر اسلامی کے آسمان میں لہرا رہا ہے۔ وہ ہر فن میں درجۂ امامت پر فائز نظر آتے ہیں۔ جب مفسرین کا ذکر ہو تو وہ امام رازی علیہ الرحمۃ پر فخر کرتے دکھائی دیتے ہیں، جب امت مسلمہ کے حکماء و متکلمین کی بات ہو تو امام رازی ان میں سرفہرست نظر آتے ہیں، جب فقہاء و اصولیین کا تذکرہ ہو تو امام رازی ان میں مرکزی حیثیت کے حامل نظر آتے ہیں اور جب علوم اسلامیہ کے موسوعات و انسائیکلوپیڈیاز کی بات ہو تو امام رازی کی تصانیف سب سے بڑھ کے نظر آتی ہیں۔

اسم گرامی: آپ کا نام محمد بن عمر بن حسن بن حسین تیمی بکری، لقب فخر الدین اور کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ آپ خلیفہ اول امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ وطن کے لحاظ سے طبرستانی، مولد کے لحاظ سے رازی، عقیدہ کے لحاظ سے اشعری اور فقہ کے لحاظ سے شافعی ہیں [1]۔

[1] A'lāmah ibn ḥajar a'sqalānī, lisān al-mīzān, mausstah al-i'lmī (Beirūt: labnān, 2nd Edition, 1390 A.H), 25/6

ولادت وابتدائی تعلیم:

اکثر تذکرہ نگاروں کے مطابق امام رازی کی ولادت رمضان المبارک 544ھ میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم والد گرامی امام ضیاء الدین عمر (المتوفی:۵۵۹ھ) سے حاصل کی جو "رے" کے خطیب اور محیی السنۃ امام ابو محمد بغوی (المتوفی:۵۱۶ھ) کے تلامذہ میں سے تھے۔ والد محترم سے آپ نے کلام وابتدائی فقہ کا علم حاصل کیا، حکمت وفلسفہ کی تعلیم آپ نے مراغہ میں مجد جیلی سے اور فقہ کی تعلیم کمال سمنانی سے حاصل کی۔ آپ کو علم حاصل کرنے اور زبانی یاد کرنے کا اس قدر شوق تھا کہ امام الحرمین الجوینی (المتوفی:۴۷۸ھ) کی علم الکلام پر کتاب "الشامل" کو زبانی یاد کیا[2]۔ آپ خود کہتے ہیں کہ جب تک میں نے علم کلام کے بارہ ہزار صفحات زبانی یاد نہ کر لیے مجھے علم کلام کی تدریس کی اجازت نہ ملی[3]۔

علمی مقام ومرتبہ:

امام فخر الدین رازی مختلف علوم وفنون کے بحر بے کراں تھے، آپ نے علمی میدان میں وہ مقام حاصل کیا کہ آپ کو علم تفسیر، علم کلام، علم لغت، علم ادب اور دیگر علوم عقلیہ ونقلیہ کا علی الاطلاق امام مانا جاتا ہے۔ آپ کے علمی مقام ومرتبہ کو دیکھ کر آپ کو "فخر الدین" کے مشہور ومعروف لقب کے علاوہ "شیخ الاسلام"، "سلطان المتکلمین"، "الامام الکبیر" اور "شیخ المعقول والمنقول" کے القابات بھی دیئے گئے۔

حافظ ذہبی (المتوفی:۷۴۸ھ) آپ کے تعارف میں آپ کے القاب اور آپ کی تصنیفات وتالیفات کے ہر طرف پھیل جانے کی بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"العلامة الكبير، ذو الفنون، فخر الدين محمد بن عمر القرشی، الطبرستانی، الاصولی، المفسر، كبير الاذكياء والحكماء والمصنفين---و انتشرت تواليفه فی البلاد شرقا و غربا"[4]

تاج الدین سبکی (المتوفی:۷۷۱ھ) کے تعارفی کلمات ملاحظہ ہوں:

" امام المتكلمين، ذوالباع الواسع فی تعليق العلوم، والاجتماع بالشاسع من حقائق المنطوق والمفهوم، والارتفاع قدرا على الرفاق، وهل يجرى من الأقدار

---

[2]Taj al-dīn abū naṣar al-sabkī, ṭabqat al-shāfi'iyah al-kubra, tehqīq: abdul fatāḥ muḥammad al-hūluw wa maḥmūd muḥammad ṭanāḥī (1383 A.H), 68/8

[3]Ibn abī aṣība'ah: u'yūn al-anbā, teḥqīq: nazar raḍā (Beirūt: dar maktabah al-ḥayāh, 1965).... Dr Muḥsin abdul ḥamīd, al-razī mufasir (PhD muqalah) (Baghdād:dar al-ḥuriyah, 1394 A.H), 19

[4]Ḥafiẓ shams al-dīn muḥammad bin ahmad al-dhahbī, sayar a'lām al-nablā' (Beirūt: maussah al-risālah,1405 A.H, 3rd edition), 500,501/21

الا الأمر المحتوم؟ ، بحر ليس للبحر ما عنده من الجواهر ، و حبر سما على السماء و أين للسماء مثل ما له من الزواهر؟" [5]

علامہ ابن اثیر (المتوفی: ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

"الفقيه الشافعي صاحب التصانيف المشهورة و الفقه و الأصول كان امام عصره" [6]

ابن خلکان (المتوفی: ۶۸۱ھ) لکھتے ہیں: "اپنے دور کے یکتا، جو اپنے ہم عصر تمام علماء پر کلامیات، معقولات و منقولات میں بازی لے گئے، جن کی کثیر فنون میں مفید تصنیفات ہیں ان میں سے ایک قرآن حکیم کی تفسیر بھی ہے" [7]۔

مذکورہ حوالہ جات کے علاوہ بھی تذکرہ نگار اس بات پر متفق دکھائی دیتے ہیں کہ امام رازی اپنے وقت کے نابغہ، عبقری اور یکتائے روزگار ہیں۔ نیز آپ اپنے تبحر علمی، کثرت تصانیف اور فہم و فراست کے سبب امامت کے تخت پر متمکن ہیں۔

چھٹی صدی ہجری کے مجدد:

متقدمین جید اہل علم کی اکثریت کے مطابق امام فخر الدین رازی چھٹی صدی ہجری کے مجدد بھی ہیں۔ عبد المتعال ال صعیدی (المتوفی: ۱۹۶۶ء) علامہ جلال الدین سیوطی (المتوفی: ۹۱۱ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے رسالہ "تحفۃ المھ تدین بأخبار المجددین" میں لکھا:

و السادس الفخر الامام الرازی و الر افعی مثله یوازی [8]

تصنیفات و مؤلّفات:

امام رازی نے اپنی حیات مستعار میں گراں قدر علمی کارہائے نمایاں سر انجام دیے۔ انہوں نے اپنے پیچھے امت مسلمہ کے استفادہ کے لیے مختلف علوم و فنون کا ایک وافر علمی ذخیرہ چھوڑا۔ بعض تحقیق نگاروں نے ان تالیفات و تصنیفات کا فقط اشاریہ تیار کیا تو وہ اشاریہ ایک سو چار صفحات پر مشتمل تھا [9]۔ مزے کی بات یہ کہ ہر فن میں ایک آدھ تصنیف کی بجائے درجنوں تصانیف یادگار چھوڑیں۔ کچھ تفصیل حسب ذیل ہے:

علم کلام: اس فن میں آپ کی ۲۲ کتب ہیں۔ ان میں سے "المطالب العالیۃ"، "أساس التقدیس" اور "المحصول فی علم الکلام" زیادہ مشہور ہیں۔

---

[5] Taj al-dīn sabkī (ṭabqāt al-shafi'yah), 82/8

[6] Ibn al-athīr, al-kāmil fī al-tarīkh (Beirūt: labnān, dar al-kutab al-a'rbī,1997), 55/13

[7] Abū al-a'bās shams al-dīn aḥmad bin khalkān, wafiyat al-a'yān, tehqīq: Dr aḥsan a'bas (Beirūt: dar ṣādir, 1st edition,1971), 249/4

[8] Abdul mata'āl al-ṣa'īdī, al-majdūn fi al-islām (Qahirah: maktabah al-adāb), 215

[9] Syed Muḥammad baqir al-khuwan sārī,rodhāt al-jināt fī aḥwāl al-u'lmā' wa al-sādāt (Qahirah: al-dar al-islamiyah, 1306 A.H), 192/4...... Ḥāfiẓ muḥammad bin a'lī, ṭabqāt al-mufasirīn (Qahirah: makatbah wahbah, 1976), 214/2

علم منطق وفلسفہ: اس میں آپ کی پندرہ تصنیفات ہیں۔ ان میں زیادہ مشہور "الملخص فی الحکمۃ والمنطق"، "کتاب المنطق الکبیر ومباحث الوجود والعدم" اور "شرح الاشارات والتنبیہات لابن سینا" ہیں۔

علم فقہ واصول فقہ : اس فن میں آپ کی آٹھ تصنیفات ہیں۔ ان میں تین یہ ہیں۔ (۱) إحکام الأحکام (۲) شرح الوجیز لِلإمام الغزالی (۳) المحصول فی اصول الفقہ۔

علم ریاضی وطب : اس میں آپ کی آٹھ کتب ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں: شرح القانون لابن سینا، کتاب التشریح من الرأس الی الحلق، رسالۃ فی علم الھیئۃ، کتاب فی الھندسۃ۔

علم تفسیر: قرآنی دراسات اور علم تفسیر میں آپ کی چھ تصنیفات ہیں۔ ان میں سب سے بڑی آپ کی مشہورِ زمانہ تفسیر ہے جس کا اصلی نام تو "مفاتیح الغیب" ہے لیکن "تفسیر کبیر" کے نام سے شہرت رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ "اسرار التنزیل وانوار التأویل"، "تفسیر سورۃ البقرۃ علی وجہ العقلی لا النقلی"، "تفسیر سورۃ الاخلاص" اور ایک اور رسالہ بھی ہے۔

مذکورہ فنون کے علاوہ تاریخ، ادب، لغت، جدل، کیمیاء وغیرہ پر بھی آپ کی کافی تصنیفات ہیں [10]۔

سبھی تذکرہ نگار آپ کی تصانیف کی کثرت کے قائل ہیں۔ مثلاً حافظ ابن کثیر (المتوفی: ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"أحد الفقهاء الشافعية المشاهير بالتصانيف الكبار و الصغار نحو من مائتی مصنف" [11]۔

وفات:

آسمان علم وحکمت کا یہ نیر تاباں ۶۰۶ھ میں ہرات میں غروب ہو گیا۔

دوسری فصل: امام رازی کا تصوف:

امام رازی کی شخصیت اور فکر کا گہرائی سے مطالعہ کرنے والا بخوبی جانتا ہے کہ ان کی شخصیت میں چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں دو بہت بڑی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ ایک یہ کہ وہ معقولی وفلسفیانہ مباحث سے قرآنی ودینی مباحث کی طرف متوجہ ہوئے۔ دوسری یہ کہ وہ قرآن وسنت پر مبنی تصوف کی طرف بھی مائل ہوئے۔ یہ ان کی زندگی کا بہت اہم پہلو ہے جو کثیر اہل علم، مفکرین اور محققین پر مخفی رہ جاتا ہے۔ مقام تعجب یہ کہ کچھ لوگوں نے تو ان سے تصوف کی بالکلیہ نفی کر دی۔ حالانکہ تاریخی وعلمی حقائق صراحتاً، ضمناً اور اشارتاً اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں ہی امام فخر الدین رازی صوفیہ کرام کی لڑی میں نہ صرف پروگئے

[10] Dr moḥsin abdul majīd, al-razī mufasir, 35-46

[11] Ḥafiẓ ibn kathīr, al-badayah wa al-nahayah, tehqīq:Dr aḥmad abū malḥam (Beirūt:dar al-aḥyā' al-turāth al-a'rabī, 1408 A.H, 1st edition),60/13

بلکہ وہ نظریاتی و عملی طور پر ان کے نورانی رنگ میں رنگ گئے۔ ہمارے اس دعویٰ پر دلیل ان کی آخرِ حیات کی تصنیفات ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے سیرت نگار و تذکرہ نویس بھی اس کی گواہی دیتے ہیں۔ ہم اس سلسلے میں اہل علم کی چند تصریحات پیش کرتے ہیں:

تاج الدین السبکی کی تصریح:

تاج الدین السبکی امام رازی کے تعارف وحالات وواقعات میں صراحتاً لکھتے ہیں:

"وکانت له يد طولىٰ فی الوعظ باللسان العربی و الفارسیی ويلحقه فيه حال و كان من اهل الدين و التصوف ، و تفسيره ينبئ عن ذلک" [12]

طاش کبری زادہ کی تصریح:

احمد بن مصطفی جو طاش کبری زادہ (المتوفی:۹۶۸ھ) کے نام سے مشہور ہیں، لکھتے ہیں:

"واعلم أن الإمام كان من زمرة الفقهاء ، ثم التحق بالصوفية فصار من اهل المشاهدة و صنف التفسير بعد ذلک۔ و من تأمّل فی مباحثه و تصفح لطائفه يجد فی أثنائه كلمات أهل التصوف من الأمور الذوقية" [13]۔

عصر حاضر کے اہل علم و تحقیق نے بھی امام فخر الدین رازی کے تصوف کے احوال سے متصف ہونے کی تصریح کی ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل تین حوالے ملاحظہ کیے جائیں:

عبد المتعال الصعیدی کی تصریح:

یہ اپنی کتاب "المجددون فی الاسلام" میں رقم طراز ہیں:

" ثم حدث له بعد أن وصل الى ما وصل اليه من العلم حالة صوفية مثل التی حدثت للغزالی۔ فكانت تنتابه فی مجالس وعظه نوبات يصرخ منها مستغيثا ، و قد وعظ يوما بحضرة السلطان شهاب الدين الغوری و حصل له حال ، فاستغاث : يا سلطان العالم! لا سلطانک يبقى و لا تلبيس الرازی يبقى" [14]۔

ڈاکٹر محسن عبد الحمید کی تصریح: وہ لکھتے ہیں:

" ان الذی توصلت اليه من دراسة تفسيره هو ان له مسلكا صوفيا خاصا، فهو يفهم التصوف على انه تطهير ارواح ، و تزكية انفس ، و لذلک: فانه لا

---

[12] Taj al-dīn al-sabkī, ṭabqāt al-shafʿiyah al-kubrā ,82/8

[13] Aḥmad bin muṣtufā al-shahīr, miftāḥ al-saʿādah wa miṣbāḥ al-sayādah (Beirūt: dar al-kutab al-iʿlmiyah), 122/2

[14] Abdul mutʿāl al-ṣaʿīdī, al-majdūn fī al-islām,228

یعالج موضوعاته تحت مصطلح التصوف و انما هو فی ضوء ما یستنبطه من الایات القرانیة"[15]۔

شیخ محمد محیی الدین عبد الحمید کی تصریح:

شیخ محمد محیی الدین عبد الحمید تفسیر کبیر کے مقدمہ میں امام فخر الدین رازی کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

" فقد كان مولعا الى حدّ الغرام بالفلسفة و الكلام و الجدل و أصول الفقه و التصوف"[16]۔

اہل علم و تحقیق کی مذکورہ تصریحات کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ امام رازی جس طرح دیگر علوم وفنون سے دلچسپی و شوق رکھتے ہیں بالکل اسی طرح انھیں تصوف سے بھی نہ صرف دلچسپی و شوق ہے بلکہ وہ اسے لازم پکڑتے ہیں، نیز تصوف میں ان کا اپنا ایک مخصوص صوفی مسلک ہے اور ان پر تصوف کے احوال بھی واقع ہوتے رہتے۔

امام رازی کو متأثر کرنے والی دو عظیم صوفی شخصیات:

امام رازی کی شخصیت کا مطالعہ کرنے والے پر یہ حقیقت بھی لازمی طور پر منکشف ہوگی کہ وہ دو عظیم صوفی شخصیات سے کافی حد تک متأثر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ امام رازی کی روحانی تبدیلی اور ان کے طبقہ صوفیہ کی لڑی میں پروئے جانے کے سلسلے میں ان دو حضرات کا بہت زیادہ عمل دخل ہے۔

ان میں سے ایک امام عارف باللہ ابو الجناب نجم الدین احمد بن عمر بن محمد الخَیْوَقِی ہیں جو کبری کے لقب سے زیادہ مشہور ہیں۔ یہ صوفی سلسلہ کبرویہ کے شیخ وبانی ہیں، طریقت کا یہ سلسلہ انہی کی طرف منسوب ہے۔ 618ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کے بارے میں امام سبکی رقم طراز ہیں:

" كان امام زاهدا عالما، طاف البلاد وسمع بها الحديث ، سمع بالاسكندرية: ابا الطاهر السلفى ، و بهمذان: الحافظ ابا العلاء ، و بنيسابور: ابا المعاوى الفراوى۔۔۔۔استوطن خوارزم ، و صار شيخ تلك الناحية ، و كان صاحب حديث و سنة ، و ملجأ للغرباء ، عظيم الجاه ، لا يخاف فى الله لومة لائم" [17]۔

---

[15]Dr moḥsin abdul majīd, al-razī mufasir,321

[16]Muḥammad moḥyī al-dīn abdul ḥamīd, muqadma tafsīr al-fakhar al-razī (Miṣar: al-maṭba'ah al-miṣriyah,1933 A.H), bay

[17]Taj al-dīn al-sabkī, ṭabqāt al-shāf'iyah, 25-26/8

مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے امام فخر الدین رازی کی ان کے شیخ نجم الدین کبریٰ علیہ الرحمۃ سے ملاقات کی توثیق کی ہے، نیز ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ امام رازی نے مفاتیح الغیب کی تالیف و تصنیف شیخ نجم الدین کبری کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور سلسلہ کبرویہ میں داخل ہونے کے بعد کی[18]۔

دوسری عظیم صوفی شخصیت جن کا امام رازی کے تصوف میں بہت زیادہ اثر ہے وہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ ہیں۔ ان کی شخصیت کے بارے میں اگرچہ کئی طرح کی آراء ہیں، کچھ اہل علم نے ان پر سخت نقد بھی کی۔ البتہ علامہ جلال الدین سیوطی نے ان کے دفاع میں ایک کتاب ''تنبیہ الغـ ی بتبرئۃ ابن عربی'' بھی تصنیف کی۔ اس میں انہوں نے شیخ اکبر کے فضل و کمال، علم و عرفان کا اعتراف کیا۔ شیخ اکبر کی وفات ۶۳۸ھ میں ہوئی۔

امام رازی کے تصوف کی طرف مائل ہونے میں شیخ ابن عربی بہت بڑا کردار ہے۔ شیخ ابن عربی کے تذکرہ نگاروں نے ثابت کیا ہے کہ انہوں نے امام فخر الدین رازی کی طرف ایک انتہائی تفصیلی خط لکھ کے روانہ کیا، وہی خط امام رازی کی شخصیت میں صوفی تبدیلی لایا، وہ مخلوق سے الگ تھلگ ہو گئے اور انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کرلی[19]۔

ذیل میں ہم امام فخر الدین رازی کے تصوف پر آراستہ ہونے پر ان کی تفسیر ''مفاتیح الغیب'' سے چند ثبوت پیش کرتے ہیں۔

اپنی صوفیت کی خود تصریح:

امام رازی کی صوفیت پر ہم جتنے بھی دلائل و شواہد یہاں پر پیش کریں گے یہ ان سب سے وزنی دلیل ہے۔ امام رازی اپنی تفسیر میں صراحت سے بیان کرتے ہیں کہ وہ صوفیہ کرام کے سلسلے میں منسلک ہیں، نیز وہ اُن سے کئی تفسیری اقوال و آراء نقل کرتے ہیں، مزید یہ کہ وہ صوفیہ کرام کو لفظ ''اصحابنا'' سے اسی طرح تعبیر کرتے دکھائی دیتے ہیں جس طرح وہ کلامی مسائل میں خود کے اشعری ہونے کو بیان کرتے ہیں۔

مثلاً قول باری تعالیٰ [أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ ءَايٰتِنَا عَجَبًا] الی قولہ تعالی [ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْا أَمَدًا] [20] کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

> ''المسألة السادسة: احتج اصحابنا الصوفية بهذه الاية على صحة القول بالكرامات ۔ و هو استدلال ظاهر ، و نذكر هذه المسألة على سبيل الاستقصاء''[21]۔

---

[18] Taj al-dīn al-sabkī, ṭabqāt al-shāf'iyah, 26/8

[19] Abū al-ḥasan al-qārī al-baghdadī, al-dur al-thamīn fī munāqib al-sheikh muḥī al-dīn (Nashar mūssatah al-turāth al-a'rabī, 25-26

[20] Al-kahf:12/9

[21] Imām fakhr al-dīn razī, mafātīḥ al-ghaib, 85/21

یہ صراحت کر کے گویا امام فخر الدین رازی نے اپنے صوفی ہونے کی توثیق کر دی اور ساتھ ہی قوم صوفیہ کی طرف اپنے منسوب ہونے کو بھی پختہ کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے اولیاء کرام کے لیے کرامات کے ثابت ہونے پر شواہد نقلیہ و عقلیہ پیش کیے۔

نظریہ "معرفت" پر پختہ و گہرا ایمان:

امام فخر الدین رازی کی صوفیت پر دوسری نشانی یہ ہے کہ وہ اپنی تفسیر میں نظریہ "معرفت" (علوم لدنیہ) پر اپنے گہرے و پختہ ایمان و یقین کا جابجا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں اور اسے حقیقت ثابتہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

مثلاً [اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ] [22] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"(اھدنا) طلب ہدایت کا نام ہے۔ ہدایت (معرفت) حاصل ہونے کے دو طریقے ہیں۔ ایک: دلیل اور حجت کے ساتھ معرفت طلب کرنا (اسے استدلال کا نام دیا جاتا ہے)۔ اور دوسرا: باطن کی صفائی اور ریاضت کر کے معرفت حاصل کرنا۔ استدلال کے طرق غیر متناہی ہیں کیونکہ عالم اعلیٰ و اسفل کا ہر ہر ذرہ اللہ کی الٰہیت اور اس کے جمال صمدیت کے کمال کی دلیل ہے (اس کے بعد انہوں نے استدلال عقلی کے طرق کے عدم تناہی پر کئی دلائل دیے، ہم اختصار کے لیے وہ عبارت درج نہیں کرتے، آگے چل کے لکھتے ہیں کہ) رہ گیا ریاضت و تصفیہ کے ذریعے ہدایت کا حاصل کرنا تو یہ ایک بحر بیکراں ہے، راہ سلوک پر چلنے والوں میں سے ہر ایک کے لیے ایک مخصوص منہج اور معیّن مشرب ہے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: [وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا] [23]، ان اسرار پر انسانی عقول کی کوئی واقفیت نہیں اور نہ ہی فہم و شعور کے پاس ان انوار کے میادین کی ابتدائی معلومات ہے۔ البتہ عارفین محققین نے ان میں ایسی عمیق مباحث اور دقیق اسرار ملاحظہ کیے ہیں جن کی طرف اکثر لوگوں کے افہام و اذہان بہت ہی کم پرواز کر پاتے ہیں" [24]۔

نیز وہ قول باری تعالیٰ [فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا] [25] کی تفسیر کے دوران لکھتے ہیں:

---

[22] Al-fatiḥa:5/1

[23] Al-baqarah:148/2

[24] Imām fakhr al-dīn razī, mafātīḥ al-ghaib, 17/1

[25] Al-kahf: 65/9

" قول باری[و علمنه من لدنا علما] سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علوم اس عبد کو اللہ سے بغیر کسی واسطہ کے حاصل ہیں۔ ایسے علوم جو براہ راست اللہ سے بطریق مکاشفات حاصل ہوں صوفیہ انہیں علوم لدنیہ کا نام دیتے ہیں۔ شیخ ابو حامد غزالی کا علوم لدنیہ کے ثبوت میں ایک رسالہ بھی ہے۔ اس باب میں تحقیق یہ ہے کہ ہم یوں کہیں کہ جب ہم کسی امر کا ادراک کرتے ہیں یا کسی حقیقت کو خیال میں لاتے ہیں تو یا تو ہم اس پر کوئی حکم بھی لگاتے ہیں۔۔۔اسے تصدیق کہا جاتا ہے۔۔۔ یا کوئی حکم نہیں لگاتے۔۔اسے تصور کہا جاتا ہے۔۔ان دونوں میں سے ہر ایک یا تو نظری ہوتا ہے کہ بغیر کسب و طلب کے حاصل ہو جاتا ہے یا کسبی ہوتا ہے۔ علوم نظریہ: وہ علوم جو نفس اور عقل میں بغیر کسب و طلب کے حاصل ہو جائیں جیسے الم و لذت یا وجود و عدم کا (بغیر حکم لگائے) علم (اسے تصور کہا جائے گا) یا اس بات کا علم کہ نفی اور اثبات نہ تو بیک وقت جمع ہو سکتے ہیں اور نہ ہی بیک وقت ختم یا یہ کہ ایک دو کا آدھا ہوتا ہے (اسے تصدیق کہا جاتا ہے)۔
علوم کسبیہ: وہ علوم جو نفس کے جوہر میں شروع سے حاصل نہیں ہوتے۔ ان علوم کو حاصل کرنے کا کوئی طریق ہو گا۔ پھر یہ طریق دو طرح کا ہے۔ پہلا یہ کہ انسان ان بدیہی نظری علوم کو ترتیب دینے کا تکلف کرے گا اور مجہولات کے علم تک جا پہنچے گا۔ اس طریق کو نظر، تفکیر، تدبر، تأمل، تروی اور استدلال کا نام دیا جاتا ہے، علوم کے تحصیل کہ یہ نوع بغیر جد و جہد اور طلب کے حاصل نہیں ہوتی۔ دوسری قسم یہ ہے کہ انسان بواسطہ مجاہدات و ریاضات اس بات کی سعی کرے کہ اس کے قویٰ حسیہ و خیالیہ ضعیف ہو جائیں۔ کیونکہ جب وہ ضعیف ہوں گے تو قوت عقلیہ قوی ہو گی اور جوہر عقل میں انوار الٰہیہ چمکیں گے اور معارف حاصل ہوں گے اور علوم میں کمال آئے گا۔ یہ سب کچھ تفکر و تأمل میں کوشش و طلب کیے بغیر ہو گا۔ اسی کو علوم لدنیہ کہا جاتا ہے۔ جب یہ امور آپ جان چکے تو اب ہم کہتے ہیں کہ نفس ناطقہ کے جواہر ماہیت کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ کبھی نفس ایسا نفس ہوتا ہے جو روشن، منور، الہیاتی اور علوی ہوتا ہے جس کا بدنی جواذب اور جسمانی نوازع کے ساتھ بہت کم تعلق ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا نفس قدسی جلوے اور الٰہی انوار کے قبول کرنے کی ہمیشہ طاقتور ترین استعداد رکھتا ہے۔ اس پر ہی عالم

الغیب کی طرف سے انوار کی بارش ہوتی ہے۔ یہی علم لدنی سے مراد ہے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''و علمنه من لدنا علما'' سے مراد ہے''[26]۔

اس طویل دلیل سے معلوم ہوا کہ امام فخر الدین رازی قرآن حکیم کی صریح نص سے علم لدنی کے ثبوت کا استنباط کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ علم لدنی وہ ہے جو بندے کو حق تعالیٰ کے پاس سے براہ راست بطریق مکاشفہ حاصل ہو۔ یہ علم نص قرآن کے مطابق سیدنا خضر علیہ السلام جیسے ربانی بندوں کو حاصل ہوتا ہے۔

شریعت، طریقت اور حقیقت:

امام رازی نے تصوف کی ان اصطلاحات کو بھی اپنی تفسیر میں بیان کیا۔ مثلاً سورۃ الفاتحۃ سے مستنبط اسرار و رموز کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' پھر جب اس طریق سے ربوبیت کا معاملہ ثابت ہو گیا تو اللہ نے بندے کو تین چیزوں کا حکم دیا۔ پہلا مقام شریعت: وہ یہ ہے کہ بندہ اعمال ظاہری پر مواظبت و دوام اختیار کرے، اس پر ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ '' دلالت کر رہا ہے۔ دوسرا مقام طریقت: وہ یہ ہے کہ بندہ عالم شہادت سے عالم غیب کی طرف سفر کرنے کی کوشش کرے، وہ جان لے گا کہ عالم غیب تک محض ظاہری اعمال کے بل بوتے پر اللہ کی مدد کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ اس پر ''وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ '' دلالت کر رہا ہے۔ اور تیسرا یہ کہ وہ عالم الشہادۃ کا بالکل الگ ہو کر مشاہدہ کرے، معاملہ سب کا سب اللہ کے حوالے کر دے اور اس وقت وہ کہے ''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ''۔ (پھر آگے چل کر امام رازی لکھتے ہیں) جب یہ تینوں درجات پورے ہو جاتے ہیں اور یہ مقامات ثلاثہ یعنی شریعت (جس پر ''ایاک نعبد '' نے دلالت کی)، طریقت (جس پر ''وایاک نستعین'' نے دلالت کی) اور حقیقت (جس پر ''اھدنا الصراط المستقیم '' نے دلالت کی) کمال کو پہنچتے ہیں اس کے ساتھ بندے کو ارباب صفا اور اصحاب کمال کی صحبت کی سعادت بھی حاصل ہوتی ہے تو اس وقت معارج بشری اور کمالات انسانی تکمیل کو پہنچتے ہیں''[27]۔

[26] Imām fakhr al-dīn razī, mafātīḥ al-ghaib, 150-151/2
[27] Imām fakhr al-dīn razī, mafātīḥ al-ghaib, 191-192/1

نیز امام رازی حروف مقطعات ''الٓمٓ'' سے بھی شریعت، طریقت اور حقیقت پر دلالت کا استنباط کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''الالف: یہ اشارہ ہے اعمال ظاہری پر استقامت کی طرف، اسے شریعت کی رعایت و خیال کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے: ''اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا'' [28]۔ اللام: یہ اشارہ ہے اس تواضع و انکسار کی طرف جو بندے کو مجاہدات سے حاصل ہوتی ہے، اسے طریقت کی رعایت و خیال کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں فرمان خداوندی ہے: '' وَالَّذِیْنَ جٰهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا'' [29]۔ المیم: اشارہ ہے اس طرف کہ بندہ مقام محبت میں اس دائرے کی طرح ہو جائے جس کی انتہاء' عینِ ابتدا اور ابتدا' عین انتہاء ہے۔ یہ مقام تب حاصل ہوتا ہے جب بندہ اللہ کی ذات و صفات میں بالکل فنا ہو جائے، یہ مقام حقیقت ہے، اللہ کا فرمان [قُلِ اللّٰهُ۔ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ] [30] اسی سلسلے میں ہے'' [31]۔

راہ سلوک کے لیے مرشد و شیخ کی ضرورت:

جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ انسانی کمالات، بارگاہ خدا تک رسائی، علوم لدنی، مکاشفات اور دنیوی و اخروی سعادتیں اسے صرف اس وقت حاصل ہو سکتی ہیں جب وہ شریعت، طریقت اور حقیقت کے مراتب حاصل کر لے، تو اس کا حق بنتا ہے کہ وہ سوال کرے: ان مراتب عالیہ کے حصول کی کیا راہ ہو سکتی ہے؟۔ قلب کس طرح اللہ کی طرف اپنا راستہ پہچان سکتا ہے؟۔ اور کیسے وہ حجابات سے نکل سکتا ہے؟۔ امام رازی کے مطابق حق تک پہنچانے والی وہ شخصیت مرشد و شیخ کی ہے، جس کے بغیر مرید کی ہدایت کا عمل مکمل نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلے میں سورۃ الفاتحہ سے مستخرج اسرار و رموز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' تیسرا نکتہ: بعض لوگوں نے کہا کہ جب بندہ [اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ] کہتا ہے تو صرف اسی پر اکتفاء نہیں کرتا بلکہ آگے [صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ] بھی کہتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرید کے پاس ہدایت و مکاشفہ کے مقامات تک پہنچنے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ شیخ کی اقتدا کرے جو اسے صراط مستقیم کی ہدایت دے اور گمراہیوں اور مغالطوں سے بچائے۔ یعنی کسی کامل کا وجود ضروری ہے ناقص جس کی اقتدا کرے یہاں تک کہ اس ناقص کی

---

[28] Fuṣilat: 3/53
[29] Al-ankabōt: 69/29
[30] Al-in'ām: 91/6
[31] Imām fakhr al-dīn razī, mafātīḥ al-ghaib, 8-9/2

عقل اُس کامل کی عقل کے نور کے سبب قوی ہو جائے۔ صرف اس وقت ہی وہ سعادتوں کے اعلیٰ مدارج اور کمالات کے اعلیٰ معارج تک پہنچ سکتا ہے"[32]۔

ذکر "ھو":

امام رازی نے ذکر "ھــــو" کے بارے میں بھی کافی کلام فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں دو شواہد ملاحظہ ہوں۔ سورۃ الفاتحہ ہی کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" بے شک ذکر اللہ اشرف المقامات ہے، حدیث قدسی میں ہے:" جب بندہ اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اس کا اپنے دل میں ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ محفل میں میرا ذکر کرے تو میں اس کی محفل سے بہتر محفل میں اس کا ذکر کرتا ہوں"[33]۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی تو ہم کہتے ہیں کہ اذکار میں سے بھی افضل اللہ کا وہ ذکر ہے جو محض اس کا ذکر ہو سوال و طلب سے خالی ہو۔ حدیث قدسی میں ہے:"جس کو میرا ذکر مجھ سے سوال سے مشغول رکھے گا تو میں اسے افضل عطا کروں گا جو سائلین کو عطا کرتا ہوں"[34]۔ جب یہ ابتدائی کلام آپ نے جان لیا تو اب ہم کہتے ہیں کہ بندہ محتاج فقیر ہے اور محتاج فقیر جب اپنے مولا کو ایسے خطاب سے پکارے جو طلب و سوال کے معنیٰ کو شامل ہو تو یہ سوال پر ہی محمول ہو گا۔ مثلاً جب بندۂ فقیر اللہ کو "یا کریم" کہہ کر مخاطب کرے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ وہ اس سے کرم کرنے کی التجا کر رہا ہے۔ جب وہ اس کو "یا نافع" کہہ کر مخاطب کرے تو اس کا مطلب ہو گا کہ وہ اس سے نفع کا سوال کر رہا ہے۔ جب وہ اس کو "یا رحمن" کہہ کر مخاطب کرے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ اس سے رحمت طلب کر رہا ہے۔ ہیں تو یہ اذکار لیکن سوال و طلب کے قائم مقام بھی ہیں۔ ذکر وہ افضل ہے جو سوال و طلب کے وہم سے بھی خالی ہو۔ اس لیے جب بندہ "یا ھو" کا ذکر کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ سوال و طلب سے بالکل خالی ہے۔ پس ہم پر ضروری ہے کہ ہم ذکر کرتے ہوئے "ھو" کا ذکر کریں کہ وہ اعظم الاذکار ہے"[35]۔

---

[32]Imām fakhr al-dīn razī, mafātīḥ al-ghaib, 189-190/1

[33]Muḥammad bin ismāʿīl bukharī, saḥīḥ bukharī, kitab al-tawhīd (dar tawq al-najāt, 1st edition, 1422 A.H)

[34]Abū bakar aḥmad bin aʿmar, musnad buzār (Beirūt: mūssatah uʿlōm al-qurān, 1st edition, 1409 A.H)

[35]Imām fakhr al-dīn razī, mafātīḥ al-ghaib, 157-158/1

مذکورہ کلام سے امام رازی نے اس راز سے پردہ ہٹادیا کہ صوفیہ کیوں اسم مفرد کے ذکر میں مصروف رہتے ہیں، ساتھ میں اس کی توثیق بھی کردی۔

ایک اور مقام پر ذکر اذکار میں غائب کی ضمیر کے اسرار بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" جاننا چاہیے کہ لفظ ''ھو'' میں عجیب اسرار اور رفیع احوال ہیں۔ ان میں سے بعض کی شرح و تقریر ممکن اور بعض کی ناممکن ہے۔ میں نے اللہ کی توفیق سے چند لطائف و اسرار بیان کیے ہیں۔ لیکن جب بھی میں ان لکھے کلمات کا کلمہ ''ھو'' کا ذکر کرتے ہوئے دل میں پیدا ہونے والی خوشی اور سعادت کے ساتھ موازنہ کرتا ہوں تو لکھے ہوئے ان اسرار کو ان احوال مشاہدہ کے مقابلے میں حقیر پاتا ہوں۔ اس وقت مجھے پتہ چلتا ہے کہ اس کلمہ ''ھو'' کی دل میں جو عجیب تاثیر ہوتی ہے اس تک بیان پہنچ ہی نہیں پائے گا اور نہ ہی اس کی شرح ختم ہو گی۔ جتنا میرے بس میں ہے اتنا بیان کروں تو کہوں گا کہ آدمی جب ''یا ھو''(غائب کے صیغے کے ساتھ) کہتا ہے تو گویا وہ یہ کہتا ہے کہ میں کون ہوں کہ تجھے پہچان سکوں؟۔ میں کون ہوں کہ تجھ سے مخاطب ہو سکوں؟۔ مٹی اور رب الارباب کی آپس میں موازنہ و نسبت ہی کیا ہے؟۔ نطفہ و خون سے پیدا ہونے والے بندے اور صفت ازلی و قِدم سے موصوف خدا کا باہمی کوئی موازنہ ہو ہی نہیں سکتا۔ پس تو تمام نسبتوں اور موازنوں سے بلند و بالا ہے، تو عقول و خیالات کے تمام تعلقات سے پاک ہے۔۔ اسی سبب سے بندہ خدا تعالیٰ سے غائبین والا خطاب کر کے مخاطب ہوتا ہے اور کہتا ہے ''یا ھو''[36]۔

سلوک و مجاہدات:

فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں فناء، بقاء، مشاہدہ اور عالم جلال و جمال میں استغراق کے درجات تک پہنچنے کے لیے صوفی سلوک و صوفی مجاہدات کو بھی خوب بیان کرتے ہیں۔ ان کے مطابق اس مقصد کے حصول کے لیے شیطان کے خلاف جہاد، نفسانی لذات میں انقطاع اور قلب کی غیر اللہ سے تطہیر بہت ضروری ہے۔ اس بارے میں وہ عارفین اربابِ تصوف اور محققین شیوخ تربیت سے بہت کچھ نقل بھی فرماتے ہیں۔

اس حوالے سے استعاذہ کے بارے میں وارد لطائف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

[36]Imām fakhr al-dīn razī, mafātīḥ al-ghaib, 153/1

" اربابِ اشارات (اربابِ تصوف) کا کہنا ہے کہ تیرے دو دشمن ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسرا باطنی۔ تجھے ان دونوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ظاہری دشمن کے بارے میں [قٰتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ][37] اور باطنی دشمن کے بارے میں [اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا][38] فرمایا۔ گویا اللہ پاک نے فرمایا کہ جب تو اپنے ظاہری دشمن سے لڑے گا تو تیری مدد ملک (فرشتے) کریں گے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: [يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ][39] اور جب تو اپنے اندرونی دشمن سے لڑے گا تو تیری مدد ملک (اللہ تعالیٰ) کرے گا جیسا کہ اس کا ارشاد ہے: [اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ][40]۔ یہ بھی یاد رہے کہ باطنی دشمن سے لڑنا ظاہری دشمن سے لڑنے کے مقابلے میں اولیٰ و افضل ہے۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ ظاہری دشمن کو موقع ملا تو دنیاوی ساز و سامان کا نقصان پہنچائے گا اور باطنی دشمن کو موقع ملا تو دین ویقین کا نقصان پہنچائے گا۔ دوسری وجہ یہ کہ ظاہری دشمن اگر ہم پر غالب آ گیا تو ہمیں اجر و ثواب ملے گا لیکن اگر باطنی دشمن ہم پر غالب آ گیا تو ہم سخت آزمائش میں مبتلا ہو جائیں گے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جو ظاہری دشمن کے ہاتھوں مارا جائے وہ شہید کہلاتا ہے جبکہ جسے باطنی دشمن مار ڈالے وہ مردود کہلاتا ہے۔ ثابت ہوا کہ عدو باطن کے شر سے احتراز اولیٰ و افضل ہے"[41]۔

مذکورہ بالا اقتباس سے واضح ہو گیا کہ امام رازی تفسیر کبیر میں صوفیہ و عارفین کے اقوال و اشارات کو کافی اہمیت دیتے ہیں جیسے اوپر جہاد اصغر و جہاد اکبر کے مضمون کی وضاحت کے لیے ارباب تصوف کے اشارات کا سہارا لیا گیا۔

ایک اور مقام پر قلب کی وساوس شیطانی اور اغیار اللہ سے پاکیزگی کے لیے سلوک و مجاہدہ کی اہمیت پر ایک عارف و صوفی کا تجربہ بھی پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

" کسی مرید نے اپنے شیخ سے کثرت وسوسہ کی شکایت کی تو شیخ نے کہا کہ میں دس سال لوہار رہا، اگلے دس سال دھوبی رہا اور بعد والے دس سال دربان رہا۔ مریدین نے کہا کہ ہم نے

---

[37] Al-tauba:29/9
[38] Faṭir:6/35
[39] Āl I‘mrān: 125/3
[40] Al-hijar:42/15
[41] Imām fakhr al-dīn razī, mafātīḥ al-ghaib, 99/1

آپ کو ایسا کرتے کبھی نہیں دیکھا۔ شیخ نے کہا کہ میں نے ایسا کیا لیکن تم دیکھ نہیں پائے!۔ کیا تم نہیں جانتے کہ دل لوہے کی طرح ہے۔ پس میں لوہار بن کر دس سال تک خوفِ خدا کی آگ کے ساتھ اسے نرم کرتا رہا۔ پھر اس کے بعد دس سال تک اس کو غلاظتوں اور نجاستوں سے دھوتا رہا ۔ پھر اس کے بعد دس سال تک حجرۂ قلب کے دروازے پر ''لا الہ الا اللہ'' کی تلوار سونت بیٹھا رہا۔ یہاں تک کہ دل سے غیر اللہ کی محبت نکل گئی اور اللہ کی محبت داخل ہو گئی۔ تو جب دل کا حجرہ غیر اللہ سے خالی ہو گیا اور اللہ کی محبت اس میں تقویت اختیار کر گئی تب کہیں جا کر عالم جلال کے سمندروں سے نور کا ایک قطرہ گرا اور دل اس قطرے میں غرق اور باقی سب سے فنا ہو گیا۔ اور اس میں کچھ بھی باقی نہ رہا سوائے ''لا الہ الا اللہ'' کے ایک راز کے"[42]۔

خلاصہ و نتائج بحث:

امام رازی کی تفسیر مفاتیح الغیب سے یہ چند دلائل بطور نمونہ پیش کیے گئے ہیں، ان کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہی تھا کہ اہل علم و محققین پر واضح کیا جائے کہ (۱) سچا تصوف اسلام کی روح اور ایسا علم ہے جو کتاب و سنت کی ہدایت پر مبنی ہے۔(۲) سچے صوفیہ دین حنیف کے سچے پیروکار و متبع ہوتے ہیں۔(۳) شروع ہی سے مسلمان علماء کی کافی تعداد ان صاف دل صوفیہ کی جماعت سے منسلک رہی ہے۔(۴) شیخ المعقول والمنقول امام فخر الدین رازی کافی حد تک تصوف سے متاثر تھے، انہوں نے اپنی تفسیر میں اس کی کئی مقامات پر تصریح بھی کی۔ نیز ان کا علم لدنی کے وجود و حقیقت پر بھی گہرا یقین تھا۔ مزید انہوں نے اسم ذات کے ذکر، سلوک و مجاہدات، ضرورت شیخ و مرشد اور شریعت، طریقت اور حقیقت کے باہم ربط، تجلیات الٰہیہ، ولایت و اولیاء، احوال و مقامات کی حقیقت و ثبوت پر بھی کافی تفصیلی کلام کیا۔

[42] Imām fakhr al-dīn razī, mafātīḥ al-ghaib, 167/1

مصادر و مراجع

القرآن الکریم

1. الاحادیث القدسیہ، ابو عبد الرحمن عصام الدین الضبابطی، مکتبۃ دار الریان للتراث، قاہرۃ
2. أساس التقدیس فی علم الکلام، امام فخر الدین الرازی، دار الفکر اللبنانی، بیروت، ط:۱، ۱۹۹۳ء
3. الأعلام، خیر الدین الزرکلی، دار العلم للملایین، ط:۱۵، ۲۰۰۲ء
4. الامام الحکیم فخر الدین رازی من خلال تفسیرہ، عبد العزیز المجدوب، دار سحنون للنشر والتوزیع، ط۱، ۱۴۲۹ھ
5. الامام فخر الدین الرازی حیاتہ و آثارہ، علی محمد حسن العماری، مطابع شرکۃ الاعلانات الشرقیۃ، ۱۳۸۸ھ
6. الامام فخر الدین الرازی منہجہ و آراءہ فی المسائل الکلامیۃ (مقالہ پی ایچ ڈی)، ابراہیم محمد، جامعۃ الازہر، ۱۳۹۶ھ
7. البدایۃ والنہایۃ، حافظ ابن کثیر، تحقیق: ڈاکٹر احمد ابو ملحم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۰۸ھ
8. الدر الثمین فی مناقب الشیخ محی الدین، ابو الحسن القاری البغدادی، تحقیق: ڈاکٹر صلاح الدین المنجد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان
9. الرازی مفسرا (پی ایچ ڈی مقالہ)، ڈاکٹر محسن عبد الحمید، دار الحریۃ بغداد، ۱۳۹۴
10. روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات، سید محمد باقر الخوانساری، الدار الاسلامیۃ قاہرہ،
11. سیر اعلام النبلاء، حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۳، ۱۴۰۵ھ
12. شذرات الذہب، عبد الحیی بن احمد بن العماد العکری، تحقیق: محمود الارناءوط، نشر المکتب التجاری للطباعۃ والنشر، بیروت
13. صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری، دار طوق النجاۃ، ط۱، ۱۴۲۲ھ
14. طبقات الشافعیہ الکبری، تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب بن علی السبکی، تحقیق: عبد الفتاح محمد الحلو و محمود محمد طناحی، عیسیٰ بابی حلبی، ۱۳۸۳ھ
15. طبقات المفسرین، شمس الدین حافظ محمد بن علی بن احمد الداودی: مکتبۃ وھبۃ، قاہرہ، ط۱، ۱۹۷۶ء
16. العبر فی خبر من غبر، شمس الدین ذہبی، تحقیق: ابو ہاجر محمد سعید بن بسیونی زغلول، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان
17. عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ابن ابی اصیبعہ، تحقیق: نزار رضا، دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت، ۱۹۶۵
18. فخر الدین رازی والتصوف، احمد محمود الجزار، منشاۃ المعارف، الاسکندریۃ، ط:۳
19. الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۹۹۷
20. کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، حاجی خلیفۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان
21. لسان المیزان، ابن حجر عسقلانی، مؤسسۃ الاعلمی، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۳۹۰ھ

22. المجددون فی الاسلام، عبد المتعال الصعیدی، مکتبۃ الآداب، قاہرہ

23. مسند بزار، ابو بکر احمد بن عمرو، مؤسسۃ علوم القرآن، بیروت، ط ا، ۱۴۰۹ھ

24. معجم البلدان، یاقوت حموی، دار صادر، بیروت، لبنان، ط:ا، ۱۹۹۵ء

25. مفاتیح الغیب، امام فخر الدین رازی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ط ۳، ۱۴۲۰ھ

26. مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ، احمد بن مصطفی الشہیر بطاش کبری زادہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

27. مقدمہ تفسیر الفخر الرازی، محمد محیی الدین عبد الحمید، المطبعۃ المصریۃ محمد عبد اللطیف، ۱۹۳۳ھ

28. وفیات الاعیان و أنباء أبناء الزمان، ابو العباس شمس الدین احمد بن خلکان: تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس، دار صادر، بیروت، ط ا، ۱۹۷۱